فلپائن، بنکاک اور بنگلہ دیش کا سفر

جناب خلیل حامدی صاحب

فرقہ پرستی سے پاک معاشرہ

۴ بجے کے قریب مورو تحریک کی ایک سرگرم شخصیت خلیفہ ناندو آئے۔ اُن کے ساتھ چار پانچ حضرات اور بھی تھے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے بتایا کہ یہاں جو کانفرنس ۲۳ اپریل ۱۹۸۴ء کو منعقد ہو رہی ہے اس کے بلانے میں جنوبی فلپائن کی تمام اسلامی تنظیموں کی کوششوں کو دخل ہے۔ ان تنظیموں کی تعداد ۲۰ کے قریب ہے۔ ان سب نے مل کر یہ پروگرام بنایا ہے اور اس کے لیے بڑی تگ و دو کر کے حکومت سے اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔ یہ اجازت نامہ وزارتِ ادیان کے شعبہ اُمورِ اسلامی کے ذریعہ ملا ہے۔ اس شعبے کے لوگ بھی اس کمیٹی میں شامل ہیں، جو کانفرنس کے انتظامات کر رہی ہے "تنظیموں کی بات چھڑی تو خاکسار نے خلیفہ ناندو صاحب سے دریافت کیا کہ یہ تنظیمیں اتنی کثرت سے کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگ شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے مقامی لوگ مل کر ایک انجمن بنا لیتے ہیں۔ یہ کام مفید ہے، مضر نہیں ہے۔ مذہبی رجحان پر بھی انہوں نے روشنی ڈالی اور بتایا کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ جنوب میں صرف ایک مذہب کی عملداری ہے۔ وہ ہے شافعی مذہب۔ اس بنا پر ہمارے اندر کوئی گروہی تفرقہ بازی نہیں ہے۔ ہاں، البتہ اب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر کچھ نوجوان آئے ہیں۔ وہ سلفیت کے نام پر کام کر رہے ہیں۔ کہیں کہیں ان کے طریقِ کار کی وجہ سے بدمزگی

پیدا ہو جاتی ہے۔ تصوف اور قبر پرستی کا ذوق بھی یہاں نہیں ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر قبر پرستی اور مشرکانہ رسومات اس ملک میں کہیں کہیں پائی جاتی تھیں۔ لیکن جب سے دینی تعلیم کا آغاز ہوا ہے یہ چیز بھی از خود ختم ہو گئی ہے۔ شیعہ مذہب کے ماننے والے بھی فلپائن میں نہیں ملیں گے۔ ایران کے تین ہزار کے لگ بھگ طلبا یہاں کے مختلف تعلیمی اداروں میں پڑھتے ہیں۔ وہ ان دنوں بڑے متحرک ہیں۔ بے پناہ لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ سُنا ہے کہ منیلا اور زمبوانگاہ ZAM- BOANGA- میں ان کے پروپیگنڈے سے کچھ جاہل شافعی شیعہ ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ جب ایران کا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں تو یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اصل اسلام وہ ہے جس نے ایران میں انقلاب برپا کیا ہے۔ کم خواندہ لوگ متاثر ہو جاتے ہیں۔ خلیفہ صاحب کے بیان کے مطابق اگر شیعہ طلبا کا پروپیگنڈہ یونہی جاری رہا تو یہاں مسلمانوں کے اندر ایک نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہو گا۔

کمیونسٹوں کی سرگرمیاں خلیفہ صاحب بڑے بالغ النظر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال حج پر گئے تھے۔ واپسی پر کویت اور پاکستان بھی دیکھ آئے ہیں۔ عربی زبان پر اچھی قدرت رکھتے ہیں۔ خلیفہ نے بتایا کہ اس وقت کمیونسٹ پارٹی ملک کے اندر بڑی سرگرم ہے۔ اکینو کے قتل کو یہ پارٹی بہت استعمال کر رہی ہے۔ اس وقت مارکوس گورنمنٹ کی توجہ جنوبی مسلمانوں کی طرف کم اور کمیونسٹوں کی طرف زیادہ ہے۔

خلیفہ صاحب بڑے صاحبِ جذبہ اور فعّال نظر آئے۔ فوراً کہنے لگے کہ یہاں کے نوجوانوں میں انگریزی زبان کا رواج عام ہے، کیونکہ پورا نظامِ تعلیم انگریزی میں ہے، اس لیے مسلمان نوجوانوں کے اندر اگر اسلام کی ٹھوس اشاعت مطلوب ہے تو وہ انگریزی لٹریچر کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ عرب حضرات عربی زبان میں کتابیں بھیج دیتے ہیں، وہ صرف چند علماء ہی کے لیے مفید رہتی ہیں۔ ہماری ضرورت یہ ہے کہ انگریزی زبان میں ہمارے پاس لٹریچر ہو۔ کہنے لگے: مولانا مودودیؒ کا لٹریچر ہمارے لیے بہت مفید ہے۔ اگر وہ ہمیں وافر مقدار میں ملتا رہے تو ہم پیدائشی مسلمان کو ہی درست نہ کریں، بلکہ عیسائیوں کو بھی مسلمان بنا دیں۔ یہاں عیسائی تھوڑی بہت تبلیغ کے بعد مسلمان ہو جاتا ہے۔ ایک وکیل نے از خود قرآن کریم کا

انگریزی میں ترجمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ بڑا خوشحال آدمی ہے۔ اس نے اپنی ایکڑ زمین بھی مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لیے وقف کر دی ہے۔

فلپائن کا لسانی مسئلہ

زبان کا ذکر چھیڑا تو خلیفہ ناندو نے بتایا کہ فلپائن کے اندر ۴۳ غیرمسلم اور ۱۳ مسلم قبائل ہیں۔ ہر قبیلے کی زبان دوسرے قبیلے کی زبان سے اختلاف رکھتی ہے۔ ٹگالو زبان پورے ملک میں بولی جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، بلکہ اسے شمال کے عیسائیوں کی زبان کہنا مناسب ہوگا۔ تیس سال سے حکومت نے اسے رواج دیا ہے۔ اسے فلپائنی عوام کی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ یہ دارجہ زبان ہے، مگر اس میں لٹریچر پایا جاتا ہے۔ اخبارات و رسائل بھی اس زبان میں نکلتے ہیں۔ انگریزی زبان دفتر اور تعلیم کی زبان ہے۔ ٹگالو کے بعد اسے بڑا رواج حاصل ہے۔

اسلامی مدرسوں کے وفاق کا صدر

آخر میں خلیفہ ناندو صاحب کا مزید تعارف کر لیجیے۔ موصوف ۱۹۷۳ء سے ازہر یونیورسٹی (اصول الدین کالج) کے گریجویٹ ہیں۔ اس وقت فلپائن کے اندر تمام اسلامی مدرسوں کے اندر ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ایک سپریم کونسل بنائی گئی ہے۔ موصوف اس کے صدر ہیں۔ تحریک اسلامی پاکستان سے خوب واقف ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہاں کے مدارس میں بھی تحریک اسلامی پاکستان جیسی فکر پھیلائی جائے۔ خود اعتمادی اور گہرے شعور پر مبنی ان کی گفتگو سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یہاں اگر کوئی فکری تحریک چلائیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔

شوق و ذوق

مغرب کے بعد عبدالبیان بھی آگئے۔ ان کے ساتھ دو اور رفیق تھے۔ ایک طہٰ اور دوسرے جمیل احمد صاحب۔ مؤخر الذکر ٹوٹی پھوٹی عربی بول لیتے ہیں۔ پاکستان میں بھی کچھ عرصہ رہے ہیں۔ عبدالبیان اپنے ساتھ ہمارے لیے گھر سے کھانا لے کر بھی آگیا: چاول گوشت، انڈے اور کیلے۔ ایک طرف مجھے اس کی حالت پر رحم آرہا تھا اور دوسری طرف اس کی اس محبت بھری پیشکش کو خوش دلی سے قبول کرنے پر مجبور تھا۔ میں نے اسے ان تکلفات سے منع کیا، مگر وہ کہنے لگا کہ میں نے جب گھر میں آپ کا ذکر کیا ہے تو میرے اہل خانہ کو شوق ہوا کہ وہ بھی آپ کی کوئی خدمت کریں خواہ برگِ سبز ہی سہی۔

کوتا بانو کی راتیں

کھانا کافی تھا ہم چاروں نے خوب پیٹ بھر کھا لیا۔ عبدالبیان کے مشورے کے مطابق ہم چہل قدمی کے لیے باہر نکل گئے۔ بازاروں میں خاصی رونق ہے اور شہر کا پارک اب اور بھی پُررونق ہو گیا ہے۔ آوارہ گرد تو دن بھر یہاں دھماچوکڑی مچاتے رہتے ہیں۔ اب شرفا بھی ہوا خوری کے لیے یہاں بال بچوں سمیت نکل آئے ہیں۔ سنیماؤں کے باہر بھی اوباش لوگ ہنگامہ ہائے رستاخیز مچا رہے ہیں۔ شراب خانے کھُلے ہیں، رقص گاہیں رنگ و بو سے لبریز ہیں۔ ایک طرف غربت اور دوسری طرف تعیش۔ یہ ہے کوتا بانو کی دُنیا۔ چلتے چلتے اسی پُل پہ آگئے جہاں ہم دن کو گزرے تھے۔ اب یہاں تاریکی ہے۔ دُور جھونپڑوں کے اندر مدھم مدھم سی روشنی جھلک رہی ہے۔ پُل عبور کرنے کے بعد ہم جس علاقے میں آگئے ہیں وہ شہر کا حصہ نہیں معلوم ہوتا، بلکہ ایک پسماندہ سا قصبہ معلوم ہوتا ہے۔ لکڑی اور ناریل کے پتوں کے بنے ہوئے ترچھی چھتوں کے مکانات۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی، غلاظت کے ڈھیر جگہ جگہ۔ گلیاں روشنی سے محروم۔ گھٹن اور حبس۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں عورتیں ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے پنکھے لیے بیٹھی گاہکوں کو تاڑ رہی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں اسی اندھیرے اور غلاظت کے ڈھیروں کے درمیان بچپن کا شوق پورا کر رہے ہیں۔ ہم اس وقت عبدالبیان کے گھر کی طرف جا رہے ہیں۔

”آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا“

عبدالبیان بار بار اپنے فقر کا حوالہ دے رہا ہے۔ شاید وہ ذہنی طور پر مجھے آمادہ کر رہا ہو کہ میں اُس کی کُٹیا کو دیکھ کر ”کراہت“ نہ محسوس کروں۔ ساتھ ہی اُسے خوشی بھی بہت ہے کہ میں اُس کے گھر جا رہا ہوں۔ میری نگاہیں تو ماحول اور اُس کی مسکنت ہی کھُبی ہوئی ہیں۔ اور عبدالبیان کی زبان اس طرح کے فقرے برابر دہرائے جاتی ہے“: میں ایک نادار انسان ہوں، کسی روز مزدوری مل جاتی ہے اور کسی روز خالی بیٹھا رہتا ہوں، دریا کے اندر ایک جھونپڑا بمشکل بنا سکا ہوں، اب وہاں اندھیرا ہو گا۔ مٹی کے دیے سے ہم کام چلاتے ہیں۔ مکان کی گلی میں تاریکی ہو گی۔ پانی بھی جگہ جگہ کھڑا ہو گا، ذرا سنبھل کر چلنا ہو گا۔ عطا اور جمیل بھی ساتھ ہیں۔ یہ دونوں بھی تقریباً عبدالبیان کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اب ہم اُس گلی میں مُڑ رہے ہیں جس کے آخری کنارے پر عبدالبیان کا مکان ہے۔ گلی کے دونوں طرف جھونپڑے ہیں جن کے صحن نہیں ہیں۔ مکین کھڑکیوں اور دریچوں میں بیٹھ کر باہر کی ہوا کھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تیل کے چراغ تاریکی سے برسرِپیکار ہیں۔ تاریکی شدید ہے یا تیل کم، چراغ بجھے بجھے دکھائی دے رہے ہیں۔ ماحول پر سکوت طاری ہے۔ دل اور چراغ کی یہ دُنیا شاعر نے خوب بیان کی ہے۔

سے

شام ہی سے بُجھا سا رہتا ہے

دل ہے گویا چراغ مفلس کا

مجاہد کا گھر: لیجیے یہ ہے عبدالبیان کا گھر۔ لکڑی کے ستونوں پر لکڑی کا فرش ڈال دیا گیا ہے۔ آدھے ستون دریا کے اندر نصب ہیں۔ اوپر چھت ناریل کے لمبے لمبے پتوں اور ٹہنیوں کو مضبوطی سے باندھ کر ڈالی گئی ہے۔ دیواریں بھی پتوں اور ٹہنیوں کی ہیں۔ آٹھ دس آدمیوں کے بیٹھنے کے لیے ایک بیٹھک ہے۔ اندر شاید دو کمرے اور ہوں گے۔ بیٹھک میں لکڑی کی کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔ عورتوں نے کوشش کی ہے کہ مکان باہر سے نازیبا سہی اندر سے اِسے خوبصورت بنایا جائے۔ دیواروں پر رنگدار پٹیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ گلدان رکھے ہوئے ہیں۔ حرمین کی تصویر بھی آویزاں ہے۔ لکڑی بڑے سلیقے اور نفاست کے ساتھ تراشی گئی ہے۔

عبدالبیان کے آٹھ بچے ہیں۔ چھوٹے دو بچوں کے سوا باقی سب اسکول میں پڑھتے ہیں۔ اسکول کی تعلیم گو فری ہے، مگر دیگر مصارف خاصے جان لیوا ہیں۔ یہ سارے بچے خاکسار کو الگ الگ آ کر ملے۔ موم بتی کی روشنی میں چند لمحات تک یہ محفل جاری رہی۔ پڑوس کے لوگ بھی آ کر ملنے لگے۔ عبدالبیان ہی کے ایک ہم خیال اور ہمراز طٰہٰ کا گھر بھی عبدالبیان کے گھر سے متصل ہے، وہ کہنے لگا کہ ایک قدم اِدھر بھی رکھ دیں۔ ان لوگوں کی محبت و عقیدت دیدنی ہے۔ طٰہٰ کا گھر عبدالبیان کے گھر سے ذرا ترقی یافتہ ہے۔ صرف اس معنی میں کہ طٰہٰ نے لکڑی کو پالش کر رکھا ہے۔ اور کرسیوں کا ڈیزائن بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں: جھونپڑا، مگر اچھا۔

بعد میں مجھ پر یہ راز کھلا کہ تینوں حضرات: عبدالبیان، طٰہٰ اور جمیل صاحب اعلیٰ درجے کے مجاہدین میں سے ہیں۔ جہاد میں سب کچھ لگا دینے کے بعد اب ان جھونپڑوں کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ کچھ دیر تک عبدالبیان اور طٰہٰ کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد ہم واپس الکوراز ون چل دیئے۔ اس وقت سڑکوں پہ زیادہ روشنی نہیں ہے۔ جگہ جگہ لڑکوں اور لڑکیوں کے جھنڈ بیٹھے ہیں۔ سینما بھی چل رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اکثریت کی آبادی کے اس شہر کو دانستہ بگاڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

علماء کا تعاقب میرے ساتھی کچھ خوف و ہراس محسوس رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ علماء و مجاہدین (جو اپنے لباس اور چال ڈھال سے پہچانے جاتے ہیں) رات کو سڑکوں پر نکلیں تو انہیں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ کئی علماء جو اس طرح گرفتار کر لیے گئے تھے ابھی تک لاپتہ ہیں، شاید انہیں قتل کر دیا گیا ہو۔ مارکوس کی خصوصی پولیس رات کو شہر میں گشت کرتی رہتی ہے یہ پولیس پوری کی پوری عیسائی ہے اور وہ مسلمانوں سے انتقام لینے میں بڑی جری ہے۔

ہماری نئی مطبوعات

۱۔ خورشید رسالت کی پانچ کرنیں	آبادشاہ پوری	۱۸/-	روپے
۲۔ یادِ رفتگان	ماہر القادری	۴۲/-	"
۳۔ اسلام میں جرم و سزا	ڈاکٹر عبدالعزیز عامر	۳۲/-	"
۴۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں	امام ابن تیمیہ	۱۸/-	"

البدر پبلی کیشنز - اردو بازار، لاہور ۲